

ایک حسرتی

والدہ کی بچپن کے دنوں سے لے کر اب تک کی گئی محبت ضعیف اور بچے کے دل میں آئی محبت جوان ہو جاتی ہے۔ انہیں کہیں نہ کہیں یہ یقین بھی تھا کہ ماں ہمارا جیسا کرتی ہے اور اولاد جیت جایا کرتی ہے۔

شیم آرا کو یہ بھی خطرہ تھا کہ میرا وہ دوسرا بیٹا اور نمبر کے حساب سے تیسری اولاد، جو بیماریوں کے دنوں میں ہوئی تھی۔ آج میرے سامنے چھ فٹ قد لیے کھڑی ہو جائے گی کیونکہ اس کے پاس محبت کا واسطہ تھا۔ محبت واسطہ دے تو ماں کے واسطے بھول جایا کرتے ہیں۔

شیم آرا کو یاد آیا تھا کہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ لڑکی ہوگی۔ ماں دایوں نے جو چلن دیکھ کر تجربے کی کتابیں چھان کر کہتی تھیں کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ وہ بھی کہہ رہی تھیں کہ شیم آرا کے ہاں دوسری بیٹی ہوگی۔ مگر تقدیر کی لکیر کسی لڑکے کے نقوش بتا رہی تھی۔

اور پھر لڑکا ہو گیا۔ مگر انتہائی کمزور۔ یہ شیم آرا پہ ڈھائے گئے مظالم کا نتیجہ تھا۔ لوگ حقارت اور ترس کو ملا کر جو ماغوبہ تیار کر کے اسے پیش کرتے تھے تو شیم آرا کا دل کٹ کر اللہ کی بارگاہ میں ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ وقت نے اپنے پروں کا استعمال بڑے دل

گردے سے کیا تھا۔ وہ بچہ دس سال کا ہو گیا تھا۔ صحت تب بھی ویسی ہی تھی اور لوگوں کی نظریں بھی۔ مگر شیم آرا کے لیے وہ اب بھی شہزادہ۔ تب اسے ایک لڑکی ملی جو اس کے ماموں کی بیٹی تھی۔ اس سے دوستی ہو گئی اور خوب ہو گئی۔ وہ اس سے ہر کام کر دیا کرتی تھی۔ صلف ظاہر تھا کام کی دوستی تھی۔ شیم آرا بھی اپنے بیٹے کو دیکھتیں تو بھی اس



آج پہلی بار شیم آرا کو مجھ سے ڈر لگا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ بچپن کی محبت جوانی کی سمت سفر کر کے جب شباب کی انتہا پہ آ جاتی ہے تو ممتا کی بنائی ہوئی حدیں ٹھنچے ہوئے حصار کی درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخیں پہ بھوری رنگت کی طرف سفر کرتے کمزور سبز پتے کی طرح ناتواں ہو جاتے ہیں۔ انہیں گمان تھا کہ

لڑکی کو۔ پھر لڑکی کا ماتھا چوم کر اپنے دل سے کہتیں۔ ”اللہ نے چاہا تو میرے بیٹے کے نصیب کی لکیریں تمہارے ماتھے کے ساتھ جڑ جائیں گی۔“
بس پھر اسی نصیب کے ساتھ سب چلنے لگ گئے۔ ”شیم آرا میں اور وہ۔“

اسکول ختم ہوا تو کالج شروع ہو گیا۔ دو سالہ کالج اپنے اختتام پہ آیا یونیورسٹی شروع ہو گئی۔ ماسٹری دو سالہ ڈگری کے دوران میں نے جاب شروع کر دی اور ساتھ ہی اسے پریپوز کر دیا۔ جواب انتہائی حقارت سے آیا تھا۔ جو مٹو بہ مجھے سب چکھاتے تھے اور میں ہنستا تھا آج وہ چکھ رہی تھی تو لب رہا تھا کہ جیسے کوئی زہر حلق سے نیچے جا رہا ہو۔ دل چیر رہا ہو۔ عقلیں ختم کر رہا ہو یا پھر جسم فنا کر رہا ہو۔ اور دوسری طرف شیم آرا نے اپنے بھائی سے رشتے کی بات بھی کر لی تھی۔ پھر سب متفق بھی ہو گئے تھے۔ کیونکہ شیم جیسی ساس اور اس کے گھر کا سکھ ہر کسی کے نصیب میں نہیں تھا۔ وہ صابر بھی اور بڑی خدمتگار شاکرہ۔ بھلا کرنے والی بھلا چاہنے والی اس کا بھی جو نقصان دے رہا ہو اور اس کا بھی جو نقصان دے چکا ہو۔

مجھے جواب ملا تو میں ڈپریشن میں چلا گیا۔ مگر تب ایک دوست نے تمام لیا۔ دوستی محبت سے افضل ہوتی ہے مجھے اب معلوم ہوا تھا۔ جاب سے فری ہو کر میں سیٹھن لیتا تھا اور قدرے بہتر ہو جاتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ محبتیں ختم نہیں ہوتیں وہ اپنا راستہ بدلتی ہیں۔ اس نے بھی اپنا راستہ بتایا تھا۔ اور وہ تھا۔ سجدے کا رستہ، شکر کا رستہ، اللہ کا رستہ اور پھر حق وقت آ گیا تھا۔

شیم آرا نے اپنے بیٹے کا سوال اور اس لڑکی کا جواب اپنے بیٹے کی ڈائری سے پڑھ لیا تھا مگر پھر بھی آخری کوشش کے تحت دوبارہ پوچھ لیا۔

لڑکی کا جواب سن کر شیم آرا کو لگا کہ وہ وہیں کھڑی ہے۔ جب وہ پیدا ہوا ہے اور اوگ باتیں بنا رہے تھے۔ تب شیم آرا نے مجھ سے پوچھا کیونکہ میں

نے ڈائری میں ابھی تک یہ نہیں لکھا تھا کہ مجھے اس کے جواب کے بعد اس سے نفرت ہے یا محبت جوں کی توں کھڑی ہے۔

تب مجھے لگا کہ وہ مجھ سے ڈر رہی تھیں۔ بے تحاشا خوف زدہ۔ ماں بیٹے سے خوف زدہ بھی کہ آخر سوال پر جواب کیا ہوگا؟ اگر یہ مان گیا تو وہ کیسے مانے گی؟ اور اگر وہ مان گئی تو اس کے ادا کیے ہوئے جملے میرے کانوں سے کیسے نکلیں گے۔ تب یقین آیا کہ ماں ڈر رہی ہے مجھ سے اور شیم آرا جیسی مائیں ہی تو ڈرا کرتی تھیں۔

”تمہارا رشتہ مانگا ہے اس کی ماں نے۔ کہہ رہی تھیں کہ صابر بیٹے جن کے نصیب میں لکھ دے جاتے ہیں وہ تقویٰ کی چادر اوڑھ کر اللہ کی بندگی کرتے ہیں۔ تم بتاؤ اپنی پوروں میں قلم رکھ کر اس کاغذ پر دستخط کر لو گے جس پہ کچھ لکھنے کے بعد تم حرام سے حلال کی طرف آسانی سے سفر کر سکتے ہو۔“ میں نے اپنی بھولی ماں کو دیکھا جس کے چہرے کو بشارت نے سنبھالا ہوا تھا مگر آنکھوں میں خوف کسی ان دیکھے خدشے کو لیے چمک رہا تھا۔

”آپ کو قبول ہے یہ رشتہ!“ میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے آرام سے کہا تھا۔

”بھائی کی سمت دیکھو تو دل کرتا ہے۔ اس کو ابھی اپنے گھر میں جگہ دے دوں اور اگر دماغ سے سوچوں تو لگتا ہے تم پر ظلم کر رہی ہوں۔“ شیم آرا پہلی بار دور اسے یہ کھڑی تھیں۔

”شیم آرا جیسی ڈھونڈ دیں۔ بل نہیں لگاؤں گا ہاں کرنے میں۔“ میں نے پھر چائے کا گھونٹ لیا اور مڑ گیا۔ مجھے معلوم تھا میری ماں شیم آرا کے کندھوں سے کئی بوجھ ہٹ گئے تھے اور وہ سکرا اٹھی تھیں۔

☆☆